دین

اور فقہی مذاہب ومسالک

(سترہویں فقہی سمینار میں علماء سے ایک اہم اور فکر انگیز خطاب)

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

(سرپرست اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا وصدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند)

ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی

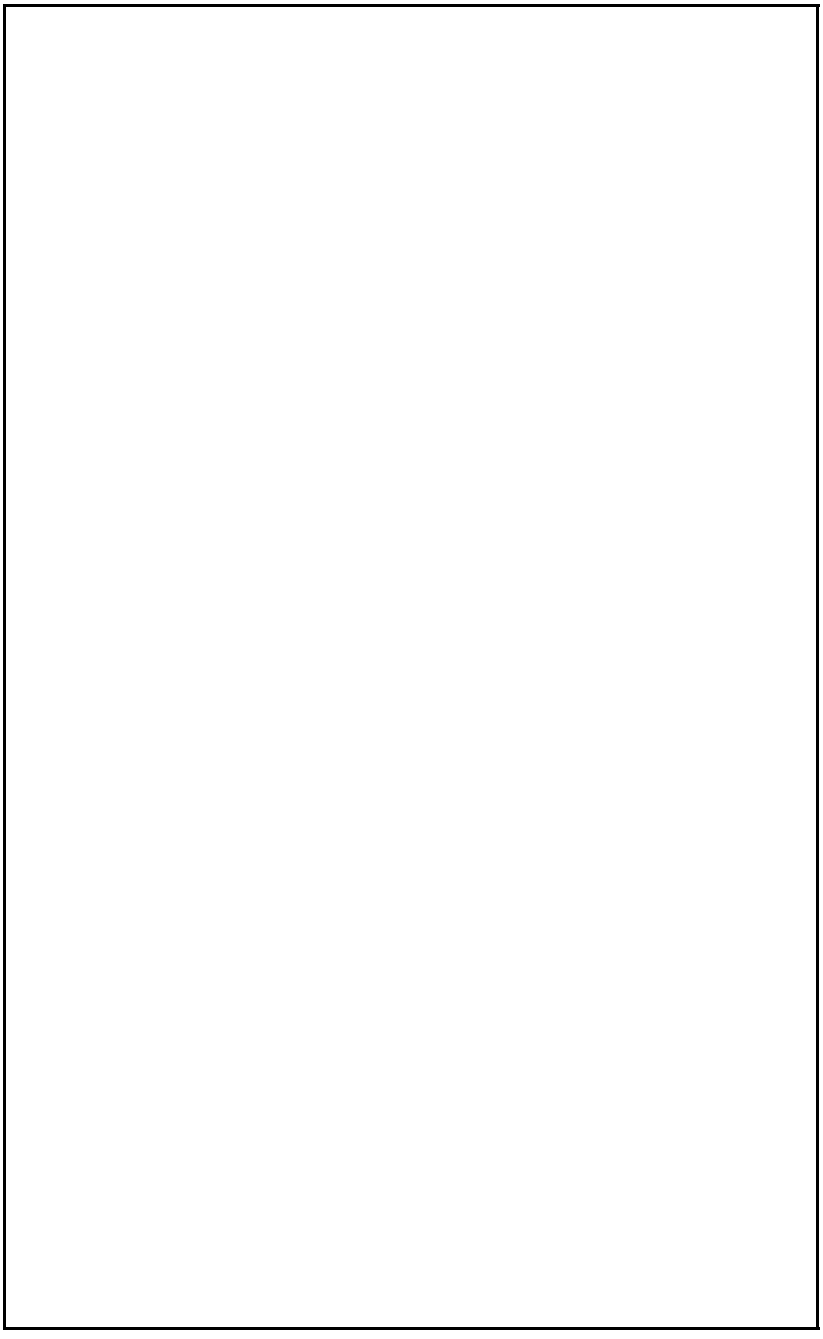

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ و صحبہ أجمین و من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین۔ أما بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ "وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ، فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین" (سورۃ توبہ: ۱۲۲)

محترم علماء کرام، مفتیان عظام اور معزز حاضرین!

پہلے میں اپنے قلب کی گہرائیوں سے ان حضرات کا شکر گذار ہوں جنہوں نے اس موقع پر مجھے یاد فرمایا اور آپ حضرات سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور کچھ عرض کرنے کا موقع دیا گیا، عنوان جو بھی قائم ہو لیکن بہر حال چند کلمات عرض کرنے ہوں گے، جن میں کچھ کلمات تمہیدی ہوں گے اور کچھ بطور مقصد۔

تمہیدی طور پر عرض یہ کرنا ہے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عالم انسانیت کی رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا، روایات کے مطابق ایک لاکھ یا دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام تشریف لائے اور عالم انسانیت کو اس شرف سے مشرف فرمایا کہ اللہ کا دین ان تک پہنچایا، یہ سلسلہ بدستور عرصۂ دراز تک قائم رہا اور انبیاء کرام ہی اس کا ذریعہ بنتے رہے، ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے کا سلسلہ جاری رہا، گویا دعوت دین کا فرض انبیاء کرام ادا کرتے رہے اور تحفظ کا فرض امتوں کے سپرد کر دیا گیا۔

امتوں نے اس تحفظ میں کوتاہیاں کیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج انبیاء سابقین کے نہ مذاہب باقی ہیں اور نہ باقی رہنے کے لئے آئے تھے اور جن کو تحفظ کا ذمہ دار بنایا گیا تھا چوں کہ وہ بھی باقی رہنے والے نہیں تھے اس لئے جب وہ ختم ہوئے تو تحفظ بھی ختم ہو گیا اور وہ مذاہب بھی جاتے رہے، کیوں کہ خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم نبوت کا یہ

اعلان کائنات انسانی کے سامنے تمام انبیاء کرام کے ذریعہ کیا جاچکا تھا، قرآن کریم نے اس کی وضاحت فرمائی :''**ماکان محمد أبا أحد من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین**'' (سورہ احزاب:۴۰)۔

پھر عطائے نبوت کے بعد آپ ﷺ نے بذات خود بھی اعلان فرمایا کہ ''**أنا خاتم النبیین لا نبی بعدی**'' (رواہ ابوداؤد: ۴۲۵۲، مجمع الزوائد: ۴۴۸۳) تو خاتمیت کے باعظمت مقام نبوت پر آپ کو فائز فرمایا گیا اور خاتمیت ایک عظیم شرف ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، صرف خاتمیت ہی نہیں بلکہ اولیت بھی ایک عظیم شرف ہے تو اولیت کا عظیم شرف بھی آپ کو عطا فرمایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

میں سب سے پہلا پیغمبر ہوں، ''**أول ما خلق اللہ نور نبیک یاجابر**'' (ازالۃ الخفاء ۱/۳۱۰، بحوالہ موسوعۃ اطراف الحدیث للرغلول ۴/۲۶) (اللہ نے سب سے پہلے میرے نور نبوت کو پیدا فرمایا ہے)۔

''**أنا أولھم خلقاً وآخرھم بعثا**'' (دنیا میں آنے والوں میں سب سے بعد ہوں اور نور نبوت کی پیدائش کے اعتبار سے سب سے پہلا ہوں)، اسی طرح آپ نے فرمایا :''**کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین**''، اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس وقت میرا نور نبوت پیدا ہو چکا تھا، جب کہ آدم علیہ السلام کا پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اولیت کا مقام بھی آپ کو عطا فرمایا گیا اور آخریت کے عزت وشرف سے بھی آپ کو معزز فرمایا گیا۔

اس آخریت کے شرف میں تمام خصوصیات آجاتی ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا لایا ہوا دین آخر الادیان ہے، آپ کی لائی ہوئی شریعت آخر الشرائع ہے، آپ کی لائی ہوئی کتاب آخر الکتب ہے، آپ کی ذات آخر النبیین ہے اور آپ کی امت آخر الامم

ہے، اس آخریت کے اندر آپ بھی شریک ہیں۔

اس آخریت سے آپ کے اوپر عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ ذمہ داری جو پہلے انبیاء علیہم السلام ادا کر رہے تھے۔ خاتم الانبیاء کی آخری امت ہونے کی وجہ سے اس شرف سے آپ کو مشرف فرمایا گیا کہ تحفظ دین آپ کو کرنا ہے اور اس شرف میں بحمداللہ اس امت نے کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی اور پوری تاریخ اس پر گواہ ہے کہ ہر دور میں علماء کرام، مفتیان عظام، محققین، محدثین، مفسرین، مفکرین، متکلمین اور فقہاء کرام اس فریضہ کو مکمل طور پر ادا کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں، اس لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ دنیا قائم رہے گی اس وقت تک جب تک اس کا دین دنیا کے اندر قائم رہے گا، "**لا تقوم الساعة حتى يقال في الأرض الله الله**" (رواہ مسلم ومشکوٰۃ) (قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک ایک شخص بھی اس زمین پر اللہ اللہ کہنے والا موجود رہے گا)، جس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اس دعوت نبوت کو قائم کئے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ عالم کی بقاء کا ذریعہ وہی ہیں تو یہ کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔

یہ ہمارے اکابر یہاں جو تشریف فرما ہیں الحمدللہ ان کو اس شرف سے مشرف دیکھ کر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ یہ دین ان خصوصیات کے ساتھ آج بھی متصف ہے جن خصوصیات کے ساتھ خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ اسے لے کر آئے تھے، اس کی معنویت، روحانیت، کیفیات، خصوصیات آج بھی جوں کی توں قائم ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہر دور میں ایک طبقہ ایسا پیدا کیا جاتا رہے گا کہ جس کو نصرتِ خداوندی حاصل ہوگی "**لاتزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة**" (رواہ مسلم، مشکوٰۃ شریف) کوئی دور ایسا نہیں آئے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصور اور مدد یافتہ کوئی طبقہ ملت میں موجود نہ ہو جو اس دین کو سنبھالنے

والا ہوگا اور اس طریقہ پر کہ ذرہ برابر اگر کوئی بھی اس دین سے انحراف کرے گا تو اس کو چلنے نہیں دے گا۔ یہ اپنی جگہ ایسی حقیقت ہے جو کسی دلیل کی محتاج نہیں۔

حق تعالیٰ نے دین کے تحفظ کے دو طریقے جاری فرمائے ہیں، پہلا یہ کہ قدیم اقوام کو ان کا محافظ قرار دیا گیا اور دین ان کے حوالہ کیا گیا لیکن ظاہر ہے کہ نہ وہ باقی رہنے کے لئے آئے تھے اور نہ باقی رہے "**کل نفس ذائقة الموت**" (آل عمران: ۱۸۵) کے تحت ان کے ختم ہونے کے ساتھ وہ ادیان بھی ختم ہو گئے۔

یکے بعد دیگرے پیغمبر آتے رہے اور شرائع میں تبدیلیاں کی جاتی رہیں، لیکن خاتم الانبیاءؐ کو جو دین دیا گیا اس کے بارے میں "**لاتبدیل لکلمات اللہ**" (سورہ یونس: ۶۴) فرمادیا گیا، یعنی دین میں ذرہ برابر قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد ذمہ داری متبعین نبوت پر آجاتی ہے، اس لئے اب آپ حضرات ہی اس کے اصل ذمہ دار ہیں۔

اسی ناقابل تبدیل دین کی حق تعالیٰ نے حفاظت کے دو طریقے قائم فرمائے: ایک وہی کہ جس میں افراد اور شخصیات سے کام لیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

"**إن اللہ عز وجل یبعث لهذه الأمة علی رأس کل مأة سنة من یجدد لها دینها**" (ابوداؤد، مشکوٰۃ: کتاب العلم ۱/۸۲) (اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آغاز میں مجدد دین کو بھیجتا رہے گا جو یکے بعد دیگرے حالات کے اعتبار سے دین کو صحیح شکل میں پیش کرتے رہیں گے)۔

اس طریقہ کی ضرورت اس لئے ہے کہ انسانی فطرت تجدید کی حامل ہے، ایک نسل کی جدت پسندی، اس کی تہذیب میں، تمدن میں، کلچر میں، معاشرت میں، معیشت میں اور اجتماعیت کے پردازوغیرہ میں رچی بسی ہوتی ہے، دوسری نسل آتی ہے وہ اس سے

آگے بڑھنا چاہتی ہے، ظاہر ہے کہ ایک صدی کے اندر تین یا چار نسلیں گذرتی ہیں، یہ جدت پسندی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ نئی صدی میں جو نسل آتی ہے وہ پچھلی صدی کی چاروں نسلوں سے آگے بڑھنا چاہتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جدت پسندی کی ذوقی ترقی سے یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ دین بھی جدت پسندی کی زد میں آجائے، یعنی وہ نسل دین میں بھی جدت پیدا کرنے پر مائل ہوجائے، مثلاً طاعات وعبادات کے مشروع طوروطریق میں تبدیلیاں پیدا کردی جائیں، ایسے ہی دیگر احکام میں بھی جدتیں سامنے آسکتی ہیں، اس لئے اس تجدد پسندی کا علاج کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرات مجددین کا سلسلہ قائم فرمایا جو آنے کے بعد دین قدیم کو بدلائل جدید پیش کرتے ہیں، دلائل کی جدت سے نئی نسل کی جدت پسندی کی رعایت بھی ہوجاتی ہے اور دین کی قدامت بھی بحالہٖ برقرار رہتی ہے۔ حضرات مجددین کے ان کارناموں پر تاریخ اسلام کی پندرہ صدیوں کو بلا تکلف شاہد عدل بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر دور میں نئے شبہات، نئے سوالات، نئے اعتراضات اور نئی تلبیسات سامنے آتی رہیں، لیکن حضرات مجددین ان سب کو ختم کرکے دین حق اور دین صحیح کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے، آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا، پھر مجددین ہمیشہ کے لئے نہیں آتے بلکہ ''**کل نفس ذائقة الموت**'' کے تحت تکمیل عمر پر اٹھا لئے جاتے ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''**یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین**'' (رواہ البیہقی، مشکوۃ، کتاب العلم ۱/ ۸۲)۔

ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اپنے بڑوں سے اور اپنے اسلاف سے علم حاصل کریں گے اور انہیں کے نقش قدم پر تبلیغاً جب دین کو دنیا کے سامنے پیش کریں گے تو ان کو ان

لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا جو دین میں اپنی خواہشات کے مطابق ترمیمات اور اپنی تاویلات فاسدہ کے ذریعہ دین کی روح کو مجروح کر دینا چاہتے ہیں، ان کا علاج کرنے کے لئے حق تعالیٰ ہر دور میں ایسے افراد پیدا کرتے رہیں گے جو دین حق کو صحت کے ساتھ پیش فرماتے رہیں گے، ایک طبقہ آتا ہے اٹھ جاتا ہے اور ان کے اخلاف ان کے قائم مقام بن کر پھر وہی کام شروع کر دیتے ہیں، یہ سلسلہ بحمداللہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

تحفظ دین کے موضوع سے قبل اولین اہم موضوع یہ ہے کہ بقائے عالم کی بنیاد کیا ہے؟ اگر جواباً یہ کہا جائے کہ اس کی بقا انسان کی مادی ترقیات ہیں، یا وقت و مسافت کو غیر اہم بنا دینے والی ایجادات ہیں، یا اہل فکر و نظر کے افکار و نظریات ہیں، اگر ان ہی پر کائنات کا مدار بقا ہوتا تو یہ تمام چیزیں خود باقی رہنے والی نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کو عالم کا مدار بقا قرار دینا کسی معقولیت پر مبنی نہیں ہوسکتا ہے، بقائے عالم کی اصل علت وحقیقت نظام ربانی کی برقراری ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**لا تقوم الساعة حتى يقال في الأرض الله الله**" (قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کا ذکر کیا جاتا رہے گا)۔

تو بقائے عالم کی بنیاد اور قدرتی نظام کے اتباع کے ذریعہ اس کی برقراری یہ ہے کہ اس کی بقا کے لوازم میں سے ظلم کا سدباب اور خواہشات نفس کی تکمیل کے لئے پیغمبرانہ ہدایات پر عمل اور ان کی خلاف ورزی سے ان کے سدباب کے احکام بڑھ جائیں گے، لہذا ایک باضابطہ نظام اور بصورت فرمانبرداری اس میں منجانب اللہ مدد واعانت کے قدرتی نتائج میں عالمی امن وسلام ہے جس سے انسانی ارتقا اور صحیح معنی میں انسانیت کا تحفظ بھی ہوگا اور ان کا ترک انسانیت پر ناقابل تلافی ظلم ہوگا۔

آج اقوام عالم کو چھوڑیئے خود مسلمان اپنے کردار کا جائزہ لیں کہ وہ کتنا اس مومنانہ زندگی کے نظام پر زندگی گزار رہے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے منجانب اللہ ہدایۃً عطا فرمایا تھا؟ تاریخ گواہ ہے کہ اس نظام نبوت پر اہل اسلام کی زندگی کے دور نے دنیا کی دیگر اقوام کو جو مثالی امن وسلام کا پیغام دیا تھا، اس کے ترک سے آج پوری دنیا محروم امن ہے، تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آج ملت اسلامیہ سے صرف اسلام کا ہی مطالبہ نہیں ہے بلکہ انسانیت کی سب سے اہم ضرورت کی بنیاد پر مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرنے کا پوری دنیا کی انسانیت کا حق اس لئے ہے کہ تاریخ عالم میں اس انسانیت نواز زندگی کے نظام نے پوری انسانیت کو وہ بے مثال امن عطا فرمایا تھا کہ جس میں ہر فرد کو اپنے سے زیادہ دوسرے کی بلا تخصیص راحت رسانی اور فائدہ مندی ملحوظ ہوتی تھی، محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ پاکیزہ نظام قائم کر کے انسانیت پر احسان عظیم فرما دیا تھا، اس کا مثالی نمونہ صحابہ کرام تھے جن کو دائمی عزت وعظمت ملی، وہ اس پیغمبری نظام حیات کو مکمل طور پر اپنانے سے ہی ملی، اور پھر صحابہ کی اسی روش مومنانہ پر ان کے نسلوں نے عمل پیرا ہو کر انسانیت کو ممنون رکھا۔

دین کے تحفظ کا واحد ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام کے طرز طریق پر دی جائے، انبیاء کرام کا اسلوب دعوت ہمیشہ یہی رہا ہے کہ وہ دین کی دعوت میں ان بنیادوں کو ابتداءً پیش فرماتے تھے کہ جن کو تسلیم کرنے میں انسانی فطرت، اور امن وسلامتی کی اسلامی بنیاد علم کے بعد عقل انسانی بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوتی ہے، اور تسلیم نہ کرنے میں ارباب دانش کے نزدیک اس کی سلامتی عقل مشکوک ومشتبہ بن جاتی ہے۔ وہ تین بنیادی اور اصولی ناقابل انکار حقیقتیں جو ابتداءً انبیاء علیہم السلام پیش فرماتے رہے ہیں ان میں پہلی حقیقت بطور عقیدۂ اساسی ''توحید'' ہے، دوسری ''نبوت'' ہے اور تیسری ''آخرت'' ہے۔

''توحید'' کی بنیادی دلیلوں میں سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ دنیا کی بے شمار مخلوقات تمام مادی ہیں، تو مادہ واحد ہے اور بے شمار مخلوقات کو مادہ کی توحید کے تحت بقا ہے، خود یہ کائنات (دنیا) اس طرح توحید کی مرہون منت بن جاتی ہے، پھر مخلوقات کو پیدا کرنا اور ان کی بقا کے اسباب کو پیدا کرنا اس کی قدرت سوائے اللہ کے اور کسی میں نہیں ہے، اس لئے وہ واحد بھی اور لاشریک بھی ہے۔

پھر ''نبوت'' ہے جو انسانوں میں غیر مشکوک علم کا واحد ذریعہ ہے، انسان اس دنیا میں آگ، پانی، ہوا اور مٹی اور اس کی جملہ موجودات کا علم حاصل کر کے اسی سے اپنی عقل کے ذریعہ آسمانوں سے نیچے ایسی حقیقتوں کا علم حاصل کر لیتا ہے کہ جو فضاؤں، خلاؤں اور ہواؤں میں موجود ہیں، لیکن آسمانوں سے اوپر کیا ہے؟ عقل اس کے بارے میں کسی طرح کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن چونکہ آسمانوں سے اوپر کی حقیقتوں کو سمجھنے کی صلاحیت انسان کو دی گئی ہے، اس لئے آسمانوں سے اوپر کی حقائق کا علم صرف انبیاء کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے انسانوں کو حاصل ہونا ممکن نہیں اور اعمال پر حقیقی نتائج کا ترتب اسی عالم میں ہونا ہے، اسی لئے فطری طور پر انسان اس کے علم کے لئے نبوت کا محتاج اور ضرورت مند ہے۔

پھر ''آخرت'' ہے کہ موت جو دنیوی وجود کا اختتام ہے، اور موت کے بعد عالم آخرت ہے جہاں سب کو جانا ہے، اور اس سے کسی کے لئے انکار ممکن نہیں، انسانوں کو پیغمبروں کے ذریعہ اللہ نے آخرت میں نجات کے لئے ایک پورا نظام زندگی عطا فرمایا ہے۔

پھر رب کریم سب سے زیادہ باشعور مخلوق انسان کو اپنے بتائے ہوئے اس صالح ترین نظام پر زندگی گزارنے کی ایسے اہم ترین بندوں کے ذریعہ رہنمائی دیتا ہے جنہیں

انبیاء کرام کہتے ہیں، کہ جو پیدائش، بچپن، جوانی، بڑھاپا، صحت و بیماری، غربت وتونگری، دوستی اور دشمنی کے تمام انسانی مراحل سے گزرنے والے ہوتے ہیں اور تمام انسانی خصوصیات کے حامل ہونے کی بنیاد پر انسانیت کاملہ کے ساتھ انسانوں میں شامل ہوتے ہیں، اور اپنی غیر معمولی خداداد اور روحانی اور عرفانی قوتوں اور خصوصیات کی بنیاد پر اللہ رب العزت سے واصل بھی ہوتے ہیں، یہ حضرات انبیاء علیہم السلام خالق ومخلوق یعنی بندوں اور خدا کے درمیان نظام ربانی پہنچانے کا واسطہ بنا کر بھیجے جاتے ہیں، اس لئے اس مقصد مہم کے لئے جس عظیم عرفانی قوت کی ضرورت ہوتی ہے، حق تعالی اس کے لئے انبیاء علیہم السلام کو ان تمام کامل ومکمل صلاحیتوں کا حامل وعامل بنا کر اور تمام انسانی خصوصیات سے متصف فرما کر انسانوں ہی میں انہیں پیدا فرماتا ہے، پھر انبیاء علیہم السلام کی نبوی خصوصیات ان کے نوع انسان میں ہونے کی وجہ سے سلیم الفطرت انسانوں کے لئے کسی بھی لحاظ سے عقلا ناقابل قبول نہیں ہوتیں، کیونکہ نظام کائنات کی بے شمار مخلوقات کی ایک دوسرے سے مختلف ضروریات کی بروقت فراہمی شعوری بنیاد پر ایک ہی قادر مطلق کے اقتدار کامل ومکمل کو صحیح اور ضروری قرار دیتی ہے، اور محض اقتدار عقل وشعور بھی نظام کائنات کی برقراری کو ممکن قرار نہیں دیتا، اس کے معنی یہ ہیں کہ توحید عقلی بنیاد پر ناقابل انکار اور فطری طور پر قطعی الثبوت ایک زندہ حقیقت ہے، اسی لئے دین فطرت اسلام نے تمام اعمال کی عقلا صحت کی بنیاد توحید ہی کو قرار دیا ہے۔

سورہ فاتحہ میں ''مالک یوم الدین'' فرما کر دین کا براہ راست تعلق حق تعالی کی ذات بابرکات سے قائم کیا گیا ہے اور اسی کو پھر صراط مستقیم کے وسیع عنوان کی عظمت کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے جن کو حق تعالی نے ان کی صحت عقیدہ کے ساتھ صراط مستقیم پر عامل ہونے کی وجہ سے مستحق انعام قرار دیتے ہوئے ''صراط الذین

أنعمت علیهم'' فرمایا، پھر اس کے مقابل اس دوسرے طبقے کا ذکر فرمایا گیا کہ جو اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعہ اللہ کے عطا کردہ عقائد و اعمال کو ترک کر کے خود ساختہ عقائد و اعمال فاسدہ کی بنیاد پر گمراہی میں پڑ گیا تھا، نتیجتاً وہ غضب الٰہی کا مستحق بن گیا، اور سورہ فاتحہ کے پانچوں وقت نمازوں میں پڑھنے کے حکم کا مقصد بھی بظاہر یہی ہے کہ اہل اسلام بتسلسل اسی حقیقت پر مطلع ہوتے رہیں، کہ انبیاء کرام کی بتلائی ہوئی صراط مستقیم کو ترک کرنے والے وہ بھی ہیں کہ جنہوں نے صراط مستقیم کو غلط سمجھ کر ترک کیا اور غضب الٰہی کے مستحق ہوئے، اور جنہوں نے صراط مستقیم کو غیر اہم قرار دیا اور لائق اہتمام نہیں سمجھا، وہ ضالین یعنی گمراہی میں پڑ کر اخروی بربادی کا شکار ہوئے۔

اور یہود و نصاری کو جو علم کے دعویدار بھی تھے، اور یہود حضرت موسی علیہ السلام اور نصاری حضرت عیسی علیہ السلام کو اپنا پیغمبر کہہ کر اپنے کو خلاف واقعہ ان کا متبع کہتے تھے، ان کا یہ قول سراسر کذب پر مبنی اس لئے تھا کہ اللہ کے پیغمبر کی تعلیم کی بنیاد توحید پر تھی اور یہ دونوں قومیں توحید سے ہٹ کر شرک سے آلودہ ہو چکی تھیں، مسلمانوں کے ان سے متاثر ہونے کے قریبی احتمال کو ختم کرنے کے لئے سورہ فاتحہ کو پانچوں نمازوں میں پڑھنے کا حکم بظاہر ان کے فاسد افکار سے تحفظ کے لئے ہے۔ چونکہ یہ دونوں قومیں دین سماوی کی حامل تھیں لیکن اس پر عامل نہیں تھیں، اس لئے ان کے کفر سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے بطور خاص ان کی ضلالت و گمراہی کو واضح فرمایا گیا؛ کیونکہ مشرکین کا کفر تو کھلا شرک تھا جس سے عقیدہ توحید کی معقول قوت نے اہل ایمان کو محفوظ و مامون کر ہی دیا تھا لیکن یہود و نصاری کا کفر انبیاء صادقین حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت عیسی علیہ السلام کے جھوٹے دعوائے اتباع کی وجہ سے ان کا اثر چونکہ زیادہ محتمل تھا، اس لئے اس کی بطور خاص اور باہتمام اور بار بار یاد دہانی کے لئے اس کا پڑھنا لازم فرمایا گیا، نیز یہودیت

ونصرانیت کے پاس اگرچہ آسمانی دین تھے، ان کو دین صحیح اور سماوی اسلام کا مؤید اور اہل اسلام سے قریب ہونا چاہئے تھا، لیکن مسلمانوں سے ازراہ عداوت یہ یہود ونصاری مشرکین کے ساتھ لگ گئے اور اسلام کی ترقی کے ساتھ یہود ونصاری کی مشرکین سے یکجائی اسلام سے عداوت میں مزید اضافہ کا سبب بنی اور جب فتح مکہ کے بعد اسلام کے غلبہ کی وجہ سے مشرکین مکہ نے مسلمانوں سے عداوتی ایذا رسانیاں ترک کر دیں جس سے اہل اسلام کو قدرے اطمینان میسر آ گیا تھا، اور شیطان بھی اس سے مایوس ہو چکا تھا کہ نمازی مسلمان پھر کسی وقت بھی جزیرہ عرب میں اس کی عبادت نہیں کریں گے۔

اسلام کے غلبہ کے بعد یہود ونصاری اسلام کے برخلاف افسوس ناک کوششوں میں مغلوب ہو گئے، اس سے واضح ہے کہ کسی بھی وقت اگر یہود ونصاری کو غلبہ حاصل ہو گیا تو اسلام دشمنی کی بنیاد پر اسلام کو مشغول کرنے کی کوششوں میں کمی نہیں کریں گے، اور دور حاضر میں تو یہود ونصاری کا غلبہ اور اسلام اور اہل اسلام کی مغلوبیت ایک المناک حقیقت بن کر سامنے آ ہی چکی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق پوری ہو رہی ہے، اسلام نے اپنی اخلاقی وسعت کے تحت صداقت، حقانیت پر مبنی دین ہونے کی بنیاد پر، یہودیت ونصرانیت کے مسخ شدہ دین ہونے کے باوجود سماوی دین ہونے کی وجہ سے فتح مکہ سے قبل یہودیت ونصرانیت کے دین سماوی ہونے کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے اہل کتاب کے بارے میں نئے حکم الٰہی آنے سے قبل ان کے ساتھ ترجیحی اخلاقی عمل کا برتاؤ برقرار رکھا، لیکن ان اہل کتاب یہود ونصاری نے اسلام کے اخلاقی ترجیحی تعامل کی کسی درجہ میں بھی قدردانی نہیں کی، تو فتح مکہ کے بعد منجانب اللہ ان کی مخالفت کا برملا اعلان کر دیا گیا، اور ان سے اسلام کو اور اہل اسلام کو جو خطرات متوقع ہو سکتے تھے ان سے اہل اسلام کو منجانب رسول اللہ ﷺ بوضاحت مطلع کر دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی بصیرت نبوی سے مستقبل میں بدطینت یہود ونصاری کی مادیت اور دنیوی ترقیات میں غلو کے ساتھ دلچسپی کے غلبہ کا اندازہ فرما کر اہل اسلام کو ان سے متاثر ہونے پر مطلع اور متنبہ فرمادیا تھا کہ یادرکھوائے مسلمانو! یہود ونصاری کے غلبہ کی صورت میں تم ان کی قدم بقدم پیروی کروگے حتی کہ وہ اگر کسی گوہ کے بھٹ میں بھی داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اس میں ضرور گھسو گے۔

خلاصہ یہ کہ تم ان کے بد سے بدتر اعمال تک میں ان کی پیروی کروگے، مسلمانوں کو چونکہ یہود ونصاری سے دین کا اختلاف ہے، اور دنیا میں اختلاف کی نوعیتیں بے شمار ہیں، جن میں سب سے اہم ہدایت وضلالت کا اختلاف ہے، اسی اختلاف کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالی نے متبعین دین کو نجات کی خوشخبریاں دینے والے اور اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے والوں کو آخرت کے عذاب الیم سے ڈرانے والے انبیاء علیہم السلام بھیجے، جس سے فہم صحیح کی صورت میں اہل کتاب یہود ونصاری کا اختلاف بالکلیہ ختم ہوجانا چاہئے تھا، ناعاقبت اندیش فاسد الفکر یہود ونصاری نے اس وسیلہ اتحاد کو بھی اپنی بدفکری سے ذریعہ اختلاف ہی بنالیا، اللہ رب العزت نے اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر یہ فرما کر کرم مزید فرمایا، کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر نبوت کے سلسلے کو ختم فرمادیا، اس لئے سابق امتوں نے بقائے سلسلہ نبوت کے باوجود تحفظ دین میں کوتاہیاں کیں، لیکن نبی اکرم ﷺ پر ختم نبوت نے تحفظ دین میں کسی دوسرے دین کے احتمال کو بھی قیامت تک کے لئے ختم کردیا، جس پر پندرہ سو سال کی تابناک تاریخ اسلام شاہد عدل بن چکی ہے، حضرت ابن عباس ؓ نے امت میں اختلاف کی برقراری کی وجہ اس دانشمندانہ ارشاد سے فرمائی کہ وقت کے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے یہ دانشمندانہ سوال فرمایا کہ اس

امت کا اللہ ایک، نبی ایک، قبلہ ایک، کتاب ایک، تو پھر اس میں اختلاف کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ جواباً حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! قرآن ہمارے سامنے نازل ہوا، ہم اس کے اسباب نزول سے بھی واقف ہیں اور ان کے موارد کو بخوبی جانتے ہیں، اس لئے ہم اختلاف سے مبراء ہیں، لیکن ہمارے بعد آنے والے لوگ جو قرآن شریف کی تلاوت تو کریں گے، اس میں اختلافات رائے کے ساتھ ہر طبقہ اپنے رائے کی صحت پر مصر ہوگا، یہ ہی چیز ان میں اختلاف عظیم کا ذریعہ بنے گی، ابتداءً فاروق اعظمؓ نے ابن عباس کے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا، لیکن بعد میں جب اس پر بطور خاص تدبر کیا تو ابن عباس کی اس رائے کی واقعیت ان پر کھل گئی اور انہوں نے اس سے اتفاق کا اظہار فرمایا، اور ابن عباس کی اس قول کی صداقت عہد ما بعد میں اس طرح ناقابل انکار بن کر سامنے آتی رہی، اور آج تک آرہی ہے کہ وہ ہی بعد میں مسلمانوں میں ایک خطرناک پارٹی بندی اس جہالت یا ناواقفیت کی بنا پر سامنے آئی کہ ایک طبقہ نے اس فکر ضلالت کو ہی حق سمجھ کر اپنالیا اور پھر جو آیات کفار کے بارے میں اتری تھیں انہوں نے اس کا مصداق مسلمانوں کو قرار دے کر انہیں کافر قرار دیدیا، یہ طبقہ خوارج کے نام سے موسوم ہے، حتی کہ یہ لوگ اپنے اس جہالت آمیز فکر پر اہل ایمان سے جنگ پر آمادہ ہوتے رہے ہیں، اور رسول ﷺ کے بعد آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام تھے جن کے ہر عمل میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کامل ہوتا تھا، اس لئے وہی اپنی اصابت فکر کا منبع بنے، یہ صداقت مآب اسلاف کرام اس طرز فکر میں انتہائی مصیب تھے کہ انہوں نے دینی معاملے میں صحابہ کرام کے طرز عمل کو حل مسائل کا سرچشمہ قرار دیا، اور اس سے روشنی حاصل ہونے پر اسی کو اختیار فرمالیتے اور بصورت اختلاف صحابہ کرام ہی میں سے کسی کے اتباع سے اختلاف ختم ہوجاتا، لیکن عمل صحابہؓ سے ہٹنے کو انہوں نے گمراہی

قرار دے کر ایک مبنی برصواب طریق عمل اختیار فرمایا، جس کے ترک میں گمراہی کا اندیشہ قوی ہونا تھا، کیونکہ جو حضرات صحابہ سے منقول ہو وہ تو علم ہے اور جو ان سے منقول نہ ہو اسے جہالت کے سوا اور دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ تربیت نبوت نے انہیں اتنا متبع سنت رسول اللہ بنادیا تھا کہ کوئی ادنی عمل بھی اس کے خلاف ان سے سرزد نہیں ہوتا تھا۔

دین کے علم میں اولین اساس صحابہ کرامؓ ہیں، اس لئے ان کی رائے کے بالمقابل دوسرے کی رائے قطعاً لائق التفات نہیں ہوگی، کیونکہ صحابہ کرام شاہدین وحی ہیں، اس لئے کسی اور سے مراد صحیح کو حاصل کرنا ممکن نہیں، لیکن صحابہ کرام جو مراد متعین بتلائیں وہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے، کیونکہ وہ واقعتاً نزول کے شاہد ہیں، اس لئے ان سے پہلوتہی بالیقین موجب اختلاف ضرور رہے گی، کیونکہ صحابہ کرام کی جماعت کو حق تعالی نے نبی کریم ﷺ کی رفاقت کے لئے منتخب فرمالیا تھا، اس لئے صحابہ کرام آپ ﷺ کے اخلاق واعمال سے مشابہت پیدا کرنے کا اتنا غیر معمولی اہتمام کرتے تھے کہ اس سے زیادہ کسی کے لئے ممکن نہیں، اس لئے حضور ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ امت افتراق کی بنیاد پر تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جو مستحق تعذیب ہوگی، لیکن ایک جماعت ان سے الگ ہوگی، اور وہی نجات پانے والی ہوگی، یہ سوال کیا گیا کہ وہ نجات پانے والی جماعت کون ہوگی، اس پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ما أنا عليه وأصحابي''، اس میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی سنت کو مستقل سنت کی حیثیت عطا فرمادی، جس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ کی سنت حضور کی سنت سے علاحدہ نہیں ہے، کہ ایک مکمل طریقہ پر رسول اللہ ﷺ کی تمام سنتوں کی صحابہ پوری پابندی کرنے والے تھے، عہد خلافت ابوبکر میں بعض لوگوں نے احکام دین میں بطور خود

تبدیلیاں سوچنا شروع کردیں اور وہ یہ کہ اسلام قبول کرنے والے قبائل غطفان، ذبیان، بنوکنانہ، وغیرہ کے کچھ افراد نے عہد خلافت صدیق اکبرؓ میں مدینہ منورہ میں آکر بعض صحابہ کے سامنے بطور تجویز یہ بات سامنے رکھی کہ زکوۃ ایک مالی بوجھ ہے، اب مصلحت وقت یہ ہے کہ آپ حضرات امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ سے جاکر یہ سفارش کریں کہ زکوۃ سے لوگ مالی طور پر پریشان ہیں، لہذا امیر المؤمنین لوگوں سے زکوۃ لینا بند کردیں، وہ صحابہ کرام جن سے ان لوگوں نے یہ بات کہی ان لوگوں نے مصلحت وقت کے پیش نظر صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ ہی بات بطور مشورہ کہی کہ جو لوگ زکوۃ ادا کرنے سے انکار کررہے ہیں، آپ ان سے زکوۃ لینے پر اصرار نہ فرمائیں، اور نہ ان کے مدمقابل ہوکر شدت برتی جائے، اس لئے کہ وہ کلمہ توحید کے قائل ہیں اور اسلامی عبادت نماز بھی پڑھتے ہیں، اور دین اسلام کے دیگر احکام پر ایمان رکھتے ہیں، ایسی صورت میں ان سے زکوۃ ادا کرنے پر اصرار نامناسب ہوگا، صحابہ کرام کی اس سفارش اور مصلحت وقت پر مبنی دلائل کو سن کر فاروق اعظم بھی زکوۃ نہ لینے کے لئے بقوت مؤید بن کر صدیق اکبر کی خدمت میں تشریف لائے، اور قوت سے ان لوگوں نے زکوۃ نہ لینے کی بات سامنے پیش کی، صدیق اکبرؓ نے اس مشورہ کو سن کر انتہائی شدومد سے اس کے ماننے سے قطعی انکار کردیا اور فرمایا کہ فرائض دین نماز اور روزے میں کسی کو کوئی فرق کرنے کا اختیار نہیں ہے، جو دینی فرائض میں فرق کرے گا اس سے ضرور میں جنگ کروں گا، کیونکہ حق تعالی نے نماز اور زکوۃ کو ایک درجہ میں رکھ کر دونوں کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں کوئی فرق بھی نہیں فرمایا، یعنی نبی کریم ﷺ ان دونوں احکام پر یکساں ایمان رکھتے تھے، لہذا آج جو شخص نماز اور زکوۃ میں فرق کرے کہ نماز تو پڑھے اور زکوۃ ادا نہ کرے، وہ دین کے حکم قطعی کا منکر ہے، لہذا

ان سے میں جنگ ضرور کروں گا، حضرت عمر فاروقؓ اور ان کے ہمنوا دیگر حضرات صحابہ کی زکوۃ ادا نہ کرنے کی بات سے پوری قوت سے انکار فرمادیا، یہ احکام میں فرق نہ کرنا دین کے بارے میں صدیق اکبر کی بات باریک بینی، وسیع النظر بصیرت اور انتہائی دور اندیشی پر مبنی ایک ناقابل انکار شہادت ہے، یعنی انہوں نے اس کے خطرناک نتائج کو اول مرحلہ میں بھانپ لیا اور سفارش کرنے والے صحابہ کی اس سفارش کو ماننے سے بقوت انکار فرمایا، زکوۃ ادا نہ کرنے کا مطالبہ لے کر آنے والوں نے اس مقصد کے لئے اپنے ہم وطنوں کے بجائے غیر معمولی دور کے لوگوں سے رابطہ قائم کر کے ان کو اپنے مطالبے کا ہمنوا بنالیا، صدیق اکبر اس سازش کو پہچان گئے اور نہ ماننے سے کسی نتیجہ کا خوف بھی ان پر طاری نہ ہوا، اور اللہ کے اعتماد پر جہاں جہاں سے اس قسم کے خطرات پیدا ہو سکتے تھے، ان سب کو صدیق اکبر نے اس باعزم انکار سے دین سے بغاوت کرنے والوں کی قوتیں اور ہمتیں بیدم کر کے رکھ دیں، حتی کہ یمن سے بھی بغاوت اٹھنے کے امکانات ختم ہو گئے، اور جھوٹے مدعیان نبوت بھی ذلت ناک طریقے پر فیل ہو کر اپنے انجام بد کو پہنچے، اور ان کے سب متبعین کو بھی قتل کر کے صدیق اکبر نے دین کو برباد کرنے کے فتنے کا ہمیشہ کے لئے سد باب فرمادیا، اور صدیق اکبر کی دور اندیشی نے کفر کو ہمیشہ کے لئے خاکستر کر کے رکھ دیا، کیونکہ دین میں اس قسم کے تغیرات پر اگر یہ قدغن نہ لگائی جاتی تو رفتہ رفتہ دینی احکام کو ترک کرنے یا بدل دینے کا سلسلہ چل پڑتا، کیونکہ اس سے یہ خیال ذہنوں میں بڑھتا کہ اگر ایک فرض کو ختم کیا جا سکتا ہے تو دوسرے فرائض کو ختم کرنا یا ان میں من مانی تبدیلیاں کرنے کا سلسلہ بڑھتا چلا جاتا، یہ عزیمت صدیقی ایک ایسا تاریخ ساز کارنامہ ہے، جس کی عظمت وافادیت اس قسم کے معاہدوں کے ہمیشہ کے لئے ہٹ جانے پر برملا ظاہر ہو کر سامنے آرہی ہے، اس کا زبردست اعتراف حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ فرما کر کیا ہے کہ "**لقد قمنا بعد رسول اللہ ﷺ مقاما کنا نهلک فیه لو لا أن اللہ تعالی أعاننا بأبی بکر وفتوح البلدان**"۔

اس کے بعد پھر جھوٹے مدعیان نبوت نے بال و پر نکالنے شروع کر دیئے، کہیں طلیحہ بن خویلد رسدی کی نبوت دور دور تک پھیل گئی، ان کے قبائل سے صدیق اکبر نے جنگ کی لیکن انہوں نے شکست کے باوجود صدیق اکبر سے اپنی غلطی پر معذرت نہیں کی، اس لئے صدیق اکبر نے انہیں ان کی بستیوں سے نکال دیا اور اعلان فرمایا کہ یہ بستیاں اب دوبارہ ان کو نہیں ملیں گی، گویا صدیق اکبر نے پہلے منکرین زکوۃ کی سرکوبی سے فارغ ہو کر مرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوت سے بحسن تدبیر ملت کو نجات دلانے کی تاریخ ساز خدمات انجام دیں۔

لیکن بہر حال افراد کا جہاں تک تعلق ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے کے لئے نہیں آتے، ایک دن ان کو رخصت ہو جانا ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے حفاظت دین کا دوسرا طریقہ یہ اختیار فرمایا ہے کہ اس نے خود اس دین کو اپنا ایسا محافظ بنا دیا کہ وہ کسی دوسرے کی حفاظت کا محتاج نہیں ہے، وہ طریقہ یہ ہے کہ اس کو حق تعالیٰ نے دلائل و براہین سے اتنا مبرہن و مدلل کر دیا ہے کہ اس سے کسی کا اس پر غالب آنے کا امکان باقی ہی نہیں رہتا، یہ تو ہو سکتا ہے کہ کچھ کج فطرت اور ٹیڑھی ذہنیت کے لوگ اسے قبول نہ کریں، لیکن تاریخ یہ گواہی دیتی ہے کہ ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا جو اسلام کی حقانیت کو کسی دلیل یا حجت سے ناقابل قبول بنا دے، کیوں کہ دین عقل انسانی کا ساختہ پرداختہ نہیں بلکہ دین نام ہے اس حقیقت کا جو منزل من اللہ ہے، یہ دین اپنی جامعیت میں انسانی زندگی کے لئے مکمل ترین صالح نظام لئے ہوئے ہے جس کی توضیح نبی کریم ﷺ نے حدیث میں فرمائی، اسی لئے فقہاء کرام نے قرآن و حدیث یعنی دین کی بنیادوں کو ملحوظ رکھ کر انسانی زندگی کے جز وکل پر محیط

قانون مدون کیا جس کو آپ ''علم فقہ'' کے نام سے جانتے ہیں اور جس کی خدمت اللہ آپ سے لے رہا ہے، اس کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ فقہ اسلامی دنیا کا وہ مکمل ترین اور اولین قانون ہے جو انسانی زندگی کی تمام جہات پر محیط ہے اور ایک ایک عمل پر اور ایک ایک حرکت وسکون پر دلائل اور حجتوں کے ساتھ احکام کی قانونی دفعات قائم کرتا ہے، یہ قانون پہلا مکمل ترین قانون ہے کہ جس کی اولیت کا آج یورپ کو بھی اعتراف کرنا پڑ رہا ہے۔

حضرات علماء کرام جانتے ہیں کہ دین کے بنیادی دلائل چار ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس۔ حجیت کی سند ان چاروں کو عطا فرمائی گئی ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ قرآن کریم کی شہادت کے مطابق اصل حجت کتاب اللہ اور اس کے بعد سنت رسول اللہؐ ہے، اسی لئے قرآن کریم میں جہاں بھی تذکرہ کیا گیا ہے ان دونوں کا ایک ساتھ کیا گیا ہے، لیکن چاروں کا ذکر صرف ایک جگہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

یاأیها الذین آمنوا أطیعوا اللّٰہ و أطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم'' (سورہ نساء:۵۹)۔

اس میں ''أولوا الأمر'' کے اندر اجماع اور قیاس آجاتے ہیں، اس کے علاوہ جتنی آیات ہیں ان میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی حجیت کا ذکر ہے، اجماع اور قیاس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے مثلاً:

''یا أیها الذین آمنوا أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول و لا تبطلوا أعمالکم'' (سورہ محمد:۳۳)۔

اسی طرح اور مقامات پر بھی تذکرہ فرمایا گیا جیسے: و ما کان لمؤمن و لا مؤمنة إذا

قضی اللہ و رسولہ أمراً أن یکون لھم الخیرۃ من أمرھم۔

حجت تشریعیہ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں، اجماع اور قیاس کا جہاں تک تعلق ہے وہ حجت شرعیہ نہیں ہیں بلکہ وہ حجت تفریعیہ ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ حجت ہونے میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہیں، وہ بذاتِ خود حجت ہیں، ایسے ہی حدیث رسول اللہ ﷺ اپنے حجت ہونے میں کسی اور چیز کی محتاج نہیں ہے، ارشاد نبوی بذات خود حجت ہے، اس لئے اصطلاح میں ان دونوں کو حجت تشریعیہ کہا جاتا ہے، لیکن جہاں تک اجماع اور قیاس کا تعلق ہے تو اجماع اور قیاس اپنی حجیت میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تائید کے محتاج ہیں، کتاب اللہ سے اگر کسی اجماع کی تائید ہوتی ہے تو وہ اجماع معتبر ہوگا، اگر کوئی تائید نہ ملے تو اجماع لائق اعتبار نہیں ہوگا، اسی طرح قیاس جس کا مقیس علیہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہو تو وہ قیاس قابل اعتبار ہوگا، اگر وہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس قیاس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی، اس لئے کہ اس کی حجیت تفریعی طور پر ہے، وہ کتاب وسنت سے متفرع ہوگی تب وہ معتبر ہوگی اور اگر یہ نہ ہو تو اس میں حجیت کی شان باقی نہیں رہتی۔

دین امر منقول کا نام ہے لیکن اس میں حجت ہونے کی شان معقول ہونے کے لحاظ سے بھی موجود ہے۔ حضرات انبیاء کرامؑ عالم انسانی اور ذاتِ باری کے درمیان واسطۂ خیر ہیں، اس لئے کہ حق تعالیٰ کا علم اتنا عظیم ہے کہ عالم انسانی کے لئے اس کا تحمل ممکن نہیں تھا، اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ایک طرف خصوصیات عبدیت کے ساتھ بندوں میں شامل ہیں اور دوسری طرف عرفان کامل کے ساتھ اللہ سے واصل ہیں، ان کا کام دین اور اس کے علم کو عام انسانوں کے سامنے پیش کرنا ہے، اگر وہ درمیان میں

نہ ہوں تو انسان مراد ربانی تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔

کتاب اللہ کی علمی عظمت پر یہ ارشاد نبوت شاہد عدل ہے کہ ''**لاتنقضی عجائبه ولا یخلق عن کثرة الرد**'' (مشکوٰۃ شریف) (یہ قرآن وہ ہے کہ جس کے عجائبات علمی کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں اور نہ یہ کتاب کبھی پرانی پڑنے والی ہے)۔

آپ ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :''**کان خلقه القرآن**'' کہ آپ ﷺ کی سیرت قرآن تھا، لہٰذا آپ ﷺ کی سیرت کے بارے میں بھی بغیر کسی تکلف کے کہا جاسکتا ہے کہ ''**لاتنقضی عجائبها ولا تخلق عن کثرة الرد**'' یعنی آپ ﷺ کی سیرت کے عجائبات بھی کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت بھی کبھی پرانی پڑنے والی نہیں ہے۔

اس حقیقت پر پوری چودہ صدیاں شاہد ہیں کہ جس میں قرآن کریم تو کتاب علم ہے ہی لیکن آپ ﷺ کی سیرت سے جو استفادہ کیا گیا اور اس سے جو علوم اخذ کر کے کتابیں تصنیف کی گئیں ان بے شمار کتابوں کی تعداد بھی متعین نہیں کی جاسکتی، ہر دور کے اندر آپ ﷺ کی سیرت سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہی ہے اور قیامت تک کی جاتی رہے گی۔

انبیاء کرام کا طبقہ وہ مقدس ترین طبقہ ہے کہ جو فرش خاک پر رہنے والے بندوں کا عرش پاک کے مالک سے رابطہ قائم کرا دیتا ہے، اسی لئے یہ عظیم ذمہ داری ہے جو انبیاء کے بعد خاتم الانبیاءؐ کے طفیل میں اور آپ ﷺ کے فیض کے نتیجے میں علماء کرام سے متعلق کردی گئی ہے یعنی آپ کو یہ شرف عطا فرما دیا گیا جو پہلے انبیاء کرامؑ کو عطا ہوا تھا، اس لئے اس شرف کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا ہے۔

الحمدللہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ امت اسلامیہ پر کوئی وقت ایسا نہیں آیا کہ جس

میں بہ تعداد کثیر ایسے افراد موجود نہ رہے ہوں جنہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو کما حقہٗ دیانت واہتمام کے ساتھ ادا نہ کیا ہو۔ خاص طور سے خیر القرون یعنی دورِ صحابہ، دورِ تابعین، دورِ تبع تابعین کے تین ادوار کو جن کو خیر ہونے کی سند عطا کی گئی اور ان کے بعد کے زمانوں کے بارے میں سکوت فرمایا گیا، اسی سکوت کے دور میں حق تعالیٰ نے حضرات مجتہدین کو پیدا فرمایا، ان حضرات کو حق تعالیٰ نے علم عظیم اور ایمان کامل عطا فرمایا، ان حضرات نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو محور فکر بنا کر قوانین اسلامی کو عامۃ المسلمین میں جاری فرمایا۔

ظاہر ہے کہ فقہ کی یہ کتابیں اجتہاد اور استنباط کے نتیجہ میں سامنے آئیں اور جب تک ہر ہر جزئیہ پر دلائل نقلیہ اور دلائل عقلیہ یقینیہ مکمل طور پر قائم نہیں کئے گئے، اس وقت تک حضرات مجتہدین نے ان کو بطور مذہب قبول نہیں کیا، یہ حضرات اگرچہ دیانت کے مقامِ عظمت پر فائز ہیں لیکن اس کے باوجود استدلال اور استنباط کا تعلق چوں کہ عقل انسانی سے ہے اور عقل انسانی میں صواب کے ساتھ خطا کا امکان ضرور ہے، اسی بنا پر ان حضرات فقہاء کے یہاں استدلالی اور استنباطی اختلاف بھی پیدا ہوا تو گویا عقل انسانی جہاں کارفرما ہوتی ہے تو اس کے اندر امکان اختلاف ناگزیر بن جاتا ہے؛ لیکن ''اختلاف أمتی رحمة واسعة'' (میری امت کا اختلاف بھی رحمت واسعہ ہے) کے تحت اس اختلاف کے نتیجہ میں علم عظیم کے جو دروازے آپ کے سامنے کھلے ہیں، آج وہ ہم سب کے لئے کارآمد بن رہے ہیں، کسی زمانے میں آپ کسی کا بھی فقہ اختیار کریں، حنفی ہوں، شافعی ہوں، مالکی ہوں یا حنبلی؛ لیکن ظاہر ہے مستفید آپ سب سے ہو رہے ہیں، یہ سارے فقہاء آپ کے لئے قابل عظمت ہیں، ان ہی چار فقہاء کو تلقی بالقبول امت میں عطا فرمائی گئی ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں ایک بنیادی فرق کوملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ فقہاء کا مستنبط کردہ قانون اسلامی، دین کے درجہ میں نہیں ہے، دین وہ ہے جومنزل من اللہ ہے،جس میں عقل انسانی قطعاً دخیل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس کے اندر عقل انسانی دخیل ہوتو وہ قابل تبلیغ نہیں ہوسکتا، قابل تبلیغ صرف دین منزل من اللہ ہی ہوگا، بخلاف مذاہب فقہاء کے کہ وہ عقلاً اجتہادی اور استنباطی ہیں، اس لئے ان کا درجہ ترجیحی تو ہوسکتا ہے تبلیغی نہیں ہوسکتا، اگران کو درجۂ تبلیغ دے دیا جائے تو یہ دین منزل کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اس لئے کہ دین میں کسی اختلاف، کسی تضاد کا امکان نہیں ہوتا بخلاف مذہب کے کہ اس میں استنباط و استدلال عقلی کی وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا ناگزیر ہے، لہٰذا یہ فرق مراتب قائم کرنا ضروری ہے کہ دین کو مقام تبلیغ پر رکھیں اور مذہب فقہی کو ترجیحی کے درجے پر رکھیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فقہاء کا فقہی مذہب قابل تبلیغ نہیں ہوتا، صرف قابل ترجیح ہوتا ہے تو ضرورت جب پیش آئے تو دلائل کی قوت پر آپ کسی بھی مذہب فقہی کو اختیار کر سکتے ہیں، لیکن ان فقہی مذاہب کی دعوت دینے کا آپ کو حق نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ دعوت دیئے جانے کا حق دار صرف دین ہے۔ انبیاء کرام، صحابہ کرام، علماء کرام یہ سب دین ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں، جب دوسری قومیں اسلام میں داخل ہوئیں تو مذاہب سابقہ کے جو اصول وکلیات ان کے ذہنوں کے اندر تھے ان سے قانونی سوالات، شبہات اور اعتراضات سامنے آئے اور وہ ان کے جوابات چاہتے تھے، اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فقہاء کرام کو پیدا فرمایا اور وہ علم عظیم ان کو عطا فرمایا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے انہوں نے

مدلل مسائل نکال کر ان کے جوابات سے جب تک مطمئن نہیں ہو گئے اس وقت تک اس کو اپنا مذہب قرار نہیں دیا، لیکن ان فقہاء کرام کے درمیان اگر استدلالی اختلاف ہوا بھی تو وہ انتہائی دیانت داری پر مبنی تھا جس پر ناقابل انکار شہادت "**نحن علی الصواب مع احتمال الخطأ، والغیر علی الخطأ مع احتمال الصواب**" ہے، ہمارا صواب امکانِ خطا سے خالی نہیں اور دوسرے ہمارے نزدیک خاطی ہیں لیکن ان کے پہلوؤں میں صواب کا امکان موجود ہے، اس سے بڑا دیانت کا ثبوت کوئی نہیں ہوسکتا۔

دورِ عباسی میں مختلف مذاہب فقہیہ کے مرتب ومدون ہونے کے بعد لوگوں نے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہوں کو قبول کیا لیکن ساتھ ہی یہ علمی انحطاط بھی پیدا ہو گیا کہ اہل علم نے اپنے فقہ کی علمی برتری کو ثابت کرنے کے لئے اس کو تبلیغی بنا کر دین کا مقام مذہب فقہی کو دیدیا، نتیجۃً دین اور مذہب میں جو فرق تبلیغی اور ترجیحی ہونے کا تھا وہ برقرار نہیں رہا جب کہ مذاہب فقہیہ کا درجہ عقل انسانی کے دخیل ہونے کی وجہ سے دین سے کم ہے اور اس فرق مراتب کو باقی رکھنا ضروری ہے، لیکن وقائع اور حوادث نئے نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ہر دور کے نئے نئے حوادث میں الحمدللہ ہمارے مفتی حضرات، علماء کرام مسائل وقت کا صحیح حل نکالنے کے لئے پہلے دین، اس کے بعد مذاہب فقہیہ کو سامنے رکھتے ہیں، ان دونوں کی روشنی میں دیانت کے ساتھ وقت کے مسائل اور حوادث کا فیصلہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔

لیکن دور حاضر میں انحطاط علمی بعض افراد وطبقات میں یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انہوں نے دین منزل من اللہ اور خطا وصواب کا احتمال رکھنے والے مجتہد فیہ فقہ سے ماخوذ ومستنبط مسالک کو تبلیغی بنا کر دین کے ہم پلہ بنا رکھا ہے جب

کہ مدارِ نجات مستحقِ تبلیغ فقط دین ہے، مذہب فقہی اور مسلک مختار نہ مدار نجات ہیں اور نہ مستحق تبلیغ ہیں، لہٰذا آگے بڑھ کر اگر میں یہ عرض کروں تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ اس انحطاط کے نتیجہ میں ایک ذہنیت یہ پیدا ہوئی کہ لوگ دین سے اتر کر مذہب پر آئے، مذہب سے اتر کر مسلک پر آئے اور آج انتہائی انحطاطِ علمی یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ مشرب جو محض ذوقی چیز ہے انہوں نے مسلک کا قائم مقام مشرب تک کو بنا رکھا ہے اور اس کی تبلیغ بھی شروع کردی، بالفاظ دیگر مسلک سے بھی نیچے اتر کر انہوں نے اپنی ذوقی چیز کو دنیا کے سامنے بطور دین پیش کرنا شروع کر دیا ہے، ان محروم علم طبقات کا صحیح الفکر علماء کو ان کا قوت سے رد کرنا پڑ رہا ہے۔ آج کے انٹرنیشنلزم اور بین الاقوامیت کے دور میں باطل طبقات، باطل افکار، باطل مذاہب اور باطل نظریات نے دنیا کے ذہن پر غالب ہو کر بے شمار مسائل وسوالات جو یورپ کے بے خدا تمدن اور بے حیا تہذیب کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں انہوں نے انسانیت کو ان اخلاقیات سے نا آشنا بنا دیا ہے کہ جن کو زندگی صرف مذہب سے ملتی تھی جبکہ مغربی تہذیبی اور تمدنی نظام محض نفسانیت پر مبنی ہے اور دنیا اس کی دلکشی کا شکار ہو رہی ہے۔

آپ انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے محافظ اور منادی ہیں اور اخلاقی قدریں دین کے تابع ہو کر ہی برقرار رہ سکتی ہیں، اس لئے آپ کی ذمہ داری دورِ حاضر میں بین الاقوامی بن گئی ہے، اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے آپ نے کمر ہمت باندھی ہے اور بتوفیق الٰہی کام کر رہے اور الحمدللہ، اللہ کی مدد سے کام ہو رہا ہے، جیسا کہ آپ نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم کی تقریر سنی ہے کہ ان چھ برسوں کے اندر کتنا کام ہوا

ہے اور لوگ اس کے قائل ہو رہے ہیں، ضرورت ہے کہ اسی عزیمت کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر نئے ابتلاءات کے نشیب و فراز کو سامنے رکھ کر آپ اپنی نیک مساعی کو جاری رکھیں، یہ فرق مراتب ملحوظ رہے کہ دین کو دین کے، مذہب کو مذہب کے اور مسلک کو مسلک کے مقام پر رکھیں، ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ حدود ناشناسی سے یہ فرق مراتب ختم ہو کر خدائی کا مقام اللہ کے ساتھ مخصوص نہ رہے اور عظمت نبوت میں جاہلانہ شدت اتنی پیدا ہو جائے کہ پیغمبر کو خدا کا ہم مقام بنا دیا جائے۔

قيل إنّ الله ذو ولد قيل إن الرسول قد كهنا
ما نجا الله والرسول معًا من لسان الورىٰ فكيف أنا

دیکھئے لوگوں نے تو اللہ اور رسول ﷺ تک کو نہیں چھوڑا تو ظاہر ہے کہ ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں؟ کیا کیا نہیں کہا جائے گا، آپ کو؟ آپ کو سب کچھ سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ آپ ان کی قائم مقامی کر رہے ہیں جن کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

"أشد بلاءً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل" (کنز العمال: رقم الحدیث ۳۲۵۳، ۳۲۵۵، ۶۷۸۳، ۶۷۸۲)۔

"أشد الناس بلاءً الأنبياء ثم الصالحون" (۳/۳۴۳، کنز العمال ۸۱، ۶۷۸۰، اتحاف السعادہ ۸/۱۲۱)۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ مصائب و آلام کا، بدگوئی کا، بدگمانی کا اور الزام تراشی کا شکار ہوئے ہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص اور للّٰہیت کی بنیاد پر ان کو استقامت عطا کرتا رہا ہے، اگر آپ نے انبیاء کرامؑ کی اسی قائم مقامی کو اختیار کیا ہے تو آپ کو ان تمام چیزوں کے لئے تیار رہنا ہوگا، آپ کے لئے بدگمانیاں بھی ہوں گی

اور بد گوئیاں بھی، لیکن آپ کو ان چیزوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، مدد خداوندی آپ کے شامل حال ضرور رہے گی، اس لئے ہمارا موقف اس بارے میں متعین ہوجاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں جن اکابر کے طرزِ خدمت سے وابستہ کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، انہوں نے زندہ رہنے کا طریقہ اور دین کی خدمت کے تمام طریقے بھی آپ کو بتا دیئے ہیں، حق تعالیٰ اسی ڈھنگ پر ہم سب کو قائم و برقرار رکھے۔ بحمد اللہ آپ یہ بات سن چکے ہیں کہ وقت کی ضرورت کو محسوس کرنے کے بعد حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی نے اسلامک فقہ اکیڈمی کی تاسیس فرمائی، اس کے بعد اس کو سنبھالنے کے لئے اللہ نے ان کی قائم مقامی حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کو عطا فرمائی ہے اور آپ اربابِ علم ان کی پشت پر ہیں، اس لئے یقین ہے کہ آپ کا کام یقیناً خطاء پر نہیں بلکہ صواب وثواب پر ہی انشاء اللہ برقرار رہے گا۔

امت کے طبقات کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس امت کے اندر تہتر طبقات پیدا ہوجائیں گے اور تہتر میں ایک طبقہ وہ ہوگا جو صواب پر ہوگا اور جنتی ہوگا اور جب صحابہ نے آپ ﷺ سے پوچھا وہ کون سا طبقہ ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''**ماأنا علیه وأصحابی**'' (جنتی طبقہ وہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر چلے گا)، تو بفضل اللہ وکرمہ آپ نے اسی راستہ کو اختیار کیا ہے، یہ آپ کے لئے ایک شرف وامتیاز ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

ایک طالب علمانہ گذارش کے طور پر ایک بات آپ سے عرض کردوں کہ مکاتب فکر سے آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، مکاتب فکر وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں کثرت علم ہو اور ظاہر ہے کہ آپ یہودیت کی تاریخ اٹھا لیجئے، ساڑھے تین ہزار سال سے موجود ہے لیکن ایک بھی مکتب فکر اس میں موجود نہیں، عیسائیت ہے صرف دو مکاتب فکر

کیتھولک اور پروٹسٹنٹ اس میں موجود ہیں، تیسرا کوئی مکتب فکر نہیں ہے، یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ کتاب اللہ جیسی ضخیم و عظیم کتاب اس کے پاس موجود ہے اور معلم کائنات رسول اللہ ﷺ کی سراپا علم سیرت مقدسہ موجود ہے، اسی کثرت علم کی بنیاد پر اسلام ہی میں مکاتب فکر پیدا ہو سکتے ہیں، چنانچہ عہد نبوت میں مکاتب فکر پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے، اور اسی بنیاد پر ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے، نیز یہ لائق توجہ ہے کہ مکاتب فکر دو طرح کے پیدا ہوتے ہیں، ایک وہ جو باطل ہیں ان کے مقابلے میں امر حق پیش کیا جاتا ہے، دوسرے وہ مکاتب فکر بکثرت پیدا ہوں گے جن کے اندر خطا اور صواب دونوں کے امکان موجود ہوں گے، آپ کے خیال کے مطابق جو فریق تاویل فاسد اختیار کئے ہوئے ہے تو آپ کا فرض ہے کہ تاویل صحیح اس کو بتا دیں، تاویل صحیح کو اگر وہ قبول کرے تو ٹھیک ہے اور نہ کرے تو آپ کا فرض ادا ہو گیا، لیکن جو تاویل وہ اختیار کئے ہوئے ہے اور وہ اس کو صحیح سمجھ رہا ہے تو اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ کے یہاں وہ بھی لائق اجر ہے، فرمایا گیا:

"المجتهد يخطئ و يصيب فمن أخطأ فله أجر واحد ومن أصاب فله أجران"۔

مجتہد صواب پر بھی پہنچتا ہے اور خطا پر بھی، اور اگر صواب پر پہنچتا ہے تو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ ایک محنت کا اور دوسرا صواب تک پہنچنے کا۔ اور اگر خطا کرتا ہے تو ایک ثواب محنت کا اسے بھی ملتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خاطی آپ سے الگ نہیں ہے، آپ کا اپنا ہے اگر چہ اس کی تاویل غلط ہے مگر وہ عند اللہ ماجور ہے۔ اور انشاء اللہ وہ بھی مغفور ہے، اس اختلاف کو بغض و عداوت کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے۔

اسی لئے میں عرض کرتا ہوں کہ عالم دین میں بصیرت اور تحمل بھی ضروری ہے، اس

لئے کہ آپ کے سامنے مصیب مکاتب فکر بھی آئیں گے اور خاطی بھی۔ خاطی آپ سے الگ نہیں ہیں اس لئے اس کو برداشت کیجئے۔

عصر حاضر میں اسلامک فقہ اکیڈمی جس ہمت، جس عزم وحوصلہ اور جس قوت سے اپنا فرض ادا کر رہی ہے ہمارا شرعی فریضہ بنتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں شکر ادا کریں کہ اللہ ہمیں توفیق مزید عطا فرمائے اور عزیمت دین میں برکت کے ساتھ مزید استقامت عطا فرمائے۔

میں انہیں کلمات کے ساتھ دعا گو ہوں کہ آپ کی اس رہنمائی کو اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے سرفرازی اور عزت کا ذریعہ بنائے اور توفیق مزید کے ساتھ ہماری حقیر خدمات کو قبول فرما کر دین کی سرفرازی کا وسیلہ بنائے۔

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆